نوادر ابوالکلام

مرتب: ظہیر احمد ظہیر بی۔اے

نذر

بزرگوارم نذر صابری کے نام
جن کا مسلسل اصرار ان خطوط کی تدوین کا باعث بنا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

تو مئے بجامِ دگر کن کہ در پیالہ من
بہ از شراب عقیقی بود سرشکِ عقیق

یہ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم و مغفور کے بارہ مکاتیب کا مجموعہ ہے جو ۱۹۳۷ء اور ۱۹۴۳ کے درمیان سردار محمد اکبر خان مرحوم کو لکھے گئے۔ اور اب سردار مغفور کے پوتے ظہیر احمد خان صاحب ظہیر بی اے کی سعی و ہمت سے کتابی صورت میں شائع ہو رہے ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد دورِ حاضر کی ان جلیل القدر شخصیتوں میں سے تھے، جن سے ملک اور قومیں صدیوں کے بعد مشرف و مفتخر ہوتی ہیں۔ وہ یقیناً مرزا غالب کی زبان سے کہہ سکتے تھے:

عمر باچرخ بگردد کہ جگر سوختہ
چوں من از دودۂ آذر نفساں برخیزد

سردار محمد اکبر خان مرحوم قوم کے کھٹڑ اور کیمبل پور کے بڑے زمیندار تھے۔ ابتدا ہی سے ان کے دل میں اسلام و اسلامیت کے لیے ایک خداداد تڑپ موجود تھی۔ مسلمانوں کی اصلاح و ترقی کے ہر کام سے مدت العمر انہیں خاص والہیت و شیفتگی رہی۔ یہی وجہ ہے کہ زندگی میں ہر اس فرد یا جماعت کے ساتھ بے تابانہ وابستگی پیدا کرتے رہے، جس کی صداؤں میں اسلامی دردمندی کی روح محسوس ہوئی۔ ۱۶ مارچ ۱۹۴۳ء کو وہ حیاتِ مستعار کی میعاد پوری کر کے خاکدانِ ارضی سے راہگرائے عالمِ بقا ہوئے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت کرے۔ آمین!

مکاتیب کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا کے ساتھ ربط و تعلق کا اولین

واسطہ غالباً سردار مرحوم کے فرزندِ ارجمند سردار محمد ارشاد خان ہوں گے، جو تعلیم کے سلسلے میں کلکتہ گئے تھے۔ پہلے مکتوب کے آغاز میں انہی کا ذکر ہے۔ مولانا کا آخری خط جولائی ۱۹۴۲ کا ہے۔ اس کے بعد وہ احمد نگر میں نظر بند ہو گئے۔ قریباً تین سال گذرنے پر رہائی عمل میں آئی تو شاید سردار صاحب کو تجدیدِ روابط کا موقع نہ مل سکا۔ یہاں تک کہ ملک تقسیم ہو گیا پھر بحال و برقرار روابط کا قیام بھی مشکل سے مشکل تر ہوتا گیا، چہ جائیکہ ٹوٹے ہو رہے رشتے ازسرنو جوڑے جاتے۔

ان مکاتیب میں جو امور مذکور ہیں، مَیں ان پر ذرا تفصیل سے لکھنا چاہتا تھا۔ لیکن مناسب معلوم نہ ہوا کہ ایک چھوٹے سے مجموعے کو طویل پیشِ لفظ سے گراں بار بنایا جائے۔ صرف ایک معاملے کے متعلق چند گزارشیں ضروری ہیں اور اس کا تعلق 'ترجمان القران' کی تیسری جلد کے لیے خرید کاغذ کے سلسلے میں قرضِ حسنہ سے ہے۔

مولانا سے نیازمندی کا تعلق رکھنے والوں کے لیے غالباً یہ کسی راز کا انکشاف نہ ہوگا کہ مرحوم کے مالی وسائل زیادہ وسیع نہ تھے۔ کوئی بڑا خرچ یکا یک آ پڑتا تھا تو انتظام مشکل ہو جاتا تھا۔ مجھے علم ہے کہ تیسری جلد کی تکمیل میں جہاں بعض اور موانع پیش آئے وہاں ایک رکاوٹ مالی انتظام کی بھی تھی۔ یقین ہے کہ سردار محمد اکبر خان مرحوم نے اپنے ابتدائی مکتوب میں جہاں تیسری جلد کی ترتیب و طباعت پر خاص زور دیا ہوگا، وہاں یہ بھی کہا ہوگا کہ اگر کوئی مالی مشکل اس راہ میں حائل ہو تو اسے دور کرنے میں مدد دی جا سکتی ہے۔ اس کے بعد مولانا نے چار ہزار آٹھ سو کچھ روپے کی رقم ایک محدود مدت کے لیے بطور قرضِ حسنہ لینی منظور کر لی، ورنہ پیشتر ان کی بارگاہ میں بعض مخلصین کی ایسی التجائیں بھی شرفِ قبول نہیں پا سکی تھیں۔

مکاتیب سے قطعی طور پر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ سردار مرحوم کل کتنی رقم بھیج سکے۔ مولانا کام شروع کر چکے تھے، یکا یک ایک حادثہ پیش آ گیا۔ جس کی وجہ سے مجبوراً کام ملتوی کرنا پڑا۔ مولانا نے قرض بالاقساط ادا کرنا شروع کر دیا تھا۔ یہ بھی معلوم نہ ہو سکا کہ ۱۹۴۳ء کی

گرفتاری سے پیشتر وہ کتنی رقم ادا کر چکے تھے۔

یقیناً 'ترجمان القرآن' جلد سوم کی کتابت شروع ہوگئی تھی، اس کا ایک ثبوت یہ ہے کہ مولانا کی وفات کے بعد بعض کاغذات میں ''سورۂ نور'' مکمل کتابت شدہ (بمع ترجمہ و حواشی) مل گیا ہے۔ باقی مسودے یا کتابت شدہ حصے کے بارے میں کچھ معلوم نہیں اور چند مہینے سے تو معلومات حاصل کرنے کے وسائل ہی منقطع چلے آتے ہیں۔

یہ حقیقت بھی غالباً محتاجِ توضیح نہیں کہ مولانا کی تمام تصانیف وتحریرات کی اشاعت اب سابقہ اکیڈیمی (دہلی) کے زیرِ اہتمام ہورہی ہے۔ ''ترجمان القرآن'' کی ترتیب بدل دی گئی ہے۔ سورۂ فاتحہ کی تفسیر ''ام القرآن'' کے نام سے ایک جلد میں چھپ چکی ہے۔ باقی جلدیں بھی زیرِ طباعت تھیں۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ اب تک کتنی چھپ چکی ہیں۔ بہرحال ''سورۂ نور'' آخری جلد کے ساتھ ضرور چھپ جائے گی۔ باقی ''ترجمان'' کا چھپنا، مسودہ مل جانے پر موقوف ہے۔

ایک محسوس ومشہور ثبوت بھی مل گیا ہے کہ ''مقدمہ قرآن'' ۱۹۱۶ء میں چھپنا شروع ہوگیا تھا۔ یعنی ٹائپ میں چھپا ہوا بتیس صفحے کا ایک فرمہ جو کرم خوردہ حالت میں ملا ہے، اس کا تعلق ''سورۂ فاتحہ'' کے مقدمے سے ہے اور ابتدائی سطروں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پیشتر کم ازکم پانچ باب ضرور چھپ چکے تھے۔ یہ 'اُم القرآن' کے ساتھ شائع ہوگیا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقدمہ محض لکھا ہی نہیں گیا تھا بلکہ اس کا خاص حصہ چھاپا بھی جا چکا تھا۔ مگر افسوس، صد افسوس کہ ۱۹۱۶ء ہی تک مولانا کو بنگال سے نکل جانے کا حکم ہوگیا اور وہ رانچی چلے گئے۔ ان کی غیر حاضری میں تلاشی لی گئی۔ اور تمام کاغذات جو مطبوعہ یا بصورت مسودہ موجود تھے، حکومت اٹھا کر لے گئی۔ اس کے بعد بھی اسیریوں، تلاشیوں و ضبطیوں کا سلسلہ جاری رہا جو کچھ حکومت کے قبضے میں آچکا تھا، اس میں سے کوئی چیز ملی بھی تو اس حالت میں کہ اس سے کوئی فائدہ اٹھایا نہیں جا سکتا تھا۔ مولانا نے بالکل صحیح فرمایا تھا کہ

سیاسی زندگی کی شورشیں اور علمی زندگی کی جمعیتیں یکجا نہیں ہو سکتیں۔ پنبۂ و آتش میں آتشی محال تھی اور محال رہی۔

زاں شکستم کہ بہ دنبال دل خویش مدام
بہ تشبیب شکن زلف پریشاں رفتم

غرض اس یگانہ شخصیت نے علوم و معارف خصوصاً دینی حقائق کے جو گراں بہا جواہر پارے صفحاتِ قرطاس پر آراستہ کیے تھے--- اور وہ اس کی خداداد دولت و ثروت کا محض ایک جزو تھے--- وہ بھی مجاہداتِ آزادی کی شورشوں میں محفوظ نہ رہ سکے۔ اگر کہیں محفوظ پڑے ہیں تو ضرور کسی نہ کسی روز منظرِ عام پر آجائیں گے۔ جس طرح شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی سینکڑوں تصانیف کئی صدیوں کے بعد منظرِ عام پر آگئیں--- وفا ذالک علی اللہ بخریر۔

ظہیر صاحب کی سعی قابلِ داد اور ہمت مستحقِ تحسین ہے کہ مولانا کے بارہ مکاتیب چھپ رہے ہیں۔ یقین ہے ملک کے مختلف گوشوں میں اور بھی ایسے کئی مجموعے ہوں گے، کاش وہ بھی چھپ جائیں۔ یا ان کے متعلق علم ہو جائے تو مرحوم کی تمام تحریریں محفوظ ہو جائیں گی۔ ان میں سے کوئی بھی تحریر کسی نہ کسی نقطۂ نگاہ سے خالی از منفعت نہیں۔

نوہی فرزوں ست ز اندازہ بریشم عُود
غزل بہ زمزمہ خواجم کہ پردہا پستند

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

مہر

(غلام رسول مہر)

مسلم ٹاؤن، لاہور، ۹ جنوری ۱۹۶۶ء

۱۹۔ بالی گنج، سرکلر روڈ، کلکتہ

۷-۵-۱۹۳۷

اخی فی اللہ، السلام علیکم!

کچھ عرصہ ہوا عزیزی محمد ارشد سلمہٗ نے آپ کا خط پہنچایا تھا۔ اور آپ کے جوشِ خلوص اور سرگرمی عمل کے پیام سے طبیعت بے حد مسرور ہوئی تھی۔ میں سوچ رہا تھا کہ اس بارے میں کوئی قطعی صورت سامنے آ جائے تو آپ کو کچھ لکھوں، لیکن اب اس سلسلہ میں ایک دوسرا معاملہ پیش آ گیا ہے۔ اور وہ تمام پیش نظر کاموں سے کہیں زیادہ اہم ہے۔ کل ایک عزیز سے اس بارے میں گفتگو کر رہا تھا کہ اچانک آپ کا خیال آ گیا۔ اور اب چاہتا ہوں کہ صورت حال سے آپ کو مطلع کر دوں۔

خدمت و اشاعتِ قرآن کے سلسلہ میں سب سے زیادہ ضروری بات ہے کہ ترجمان القرآن کی تیسری جلد چھپ کر شائع ہو جائے اور اس طرح اس سلسلہ کا بنیادی کام مکمل ہو جائے۔ جب تک یہ کام مکمل نہیں ہوتا آئندہ کے سارے کام رکے رہتے ہیں۔ میں نے اسی بناء پر کوشش کی تھی کہ دوسری جلد کے اتمام کے بعد کام کا سلسلہ رکے نہیں اور تیسری جلد کی کتابت و طباعت کا کام فوراً شروع ہو جائے۔ بعض وجوہ سے اس میں کچھ تاخیر ہوگئی اور چند ماہ نکل گئے۔

بہرحال گذشتہ جنوری سے کتابت کا کام شروع ہوگیا ہے۔ اب کاپیوں کی کافی تعداد تیار ہو چکی ہے اور پوری سرگرمی کے ساتھ کتابت کا سلسلہ جاری ہے آٹھ کاپیاں جم بھی چکی ہیں۔ اور پروف بھی آ گئے ہیں اگر کام میں رکاوٹ پیدا نہ ہوتو انشاء اللہ نومبر تک کتاب نکل جا سکتی ہے، لیکن اب اچانک ایک رکاوٹ پیدا ہوگئی ہے۔ یعنی کاغذ کے لیے روپیہ کا جو انتظام پیش نظر تھا چند در چند وجوہ سے وہ مختل ہو گیا ہے۔ اور ضروری ہے کہ جلد از جلد اس کا کوئی دوسرا انتظام ہو جائے۔

پوری کتاب کے لیے سات سو ریم کاغذ مطلوب ہے۔ چونکہ بیک دفعہ معاملہ کرنے میں کافی بچت ہو جاتی ہے۔ اس لیے رفتار طباعت کا اندازہ کرتے ہوئے اس طرح کا معاملہ کر لیا گیا تھا کہ سات سو ریم کا آرڈر دے دیا گیا اور معاملہ کی یہ صورت طے پا گئی کہ اپریل، جولائی اور ستمبر کی تین قسطوں میں تین مرتبہ کر کے مال روانہ کر دیا جائے اور تین بلوں میں تین مرتبہ کر کے روپیہ بھی وصول کر لیا جائے۔ پہلا بل دو ہزار چھبیس روپیہ کا اور دوسرا اور تیسرا چودہ چودہ سو روپیہ کا، کل رقم چار ہزار آٹھ سو باون ہوتی ہے۔

اب جو ضرورت درپیش ہے۔ وہ صرف یہ ہے کہ اس رقم کا انتظام ہو جائے۔ انتظام بطور قرض کے ہونا چاہیے۔ عطیہ کی نہ تو ضرورت ہے اور نہ مطلوب و گوارا ہے۔ کتاب انشاء اللہ نومبر میں یا بصورت تاخیر دسمبر میں نکل جائے گی اور چونکہ نکلتے ہی روپیہ وصول ہو جاتا ہے۔ اس لیے بصورت تاخیر بھی جنوری کے پہلے ہفتہ میں روپیہ واپس کر دیا جائے گا۔ گویا پہلی قسط کا روپیہ تقریباً آٹھ ماہ کے لیے اور بقیہ قسطوں کا صرف چار اور تین ماہ کے لیے رُکے گا۔ اس سے زیادہ رکنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

ضروری نہیں کہ پوری رقم اس وقت فراہم ہو جائے۔ اس وقت تو بلا تاخیر پہلی قسط کا انتظام ہونا چاہیے کیونکہ اس کی عدم فراہمی کی وجہ سے کام رُک گیا ہے۔ اس کے بعد دو قسطوں کی ۱۵ جولائی اور ۱۵ ستمبر کو ضرورت پیش آئے گی۔

ان ہزاروں دوستوں اور عزیزوں میں سے جنہیں یہاں اور باہر اس بارے میں توجہ دلا سکتا ہوں صرف آپ ہی کے لیے طبیعت کا حجاب دور ہوا ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ کے حالات ایسے ہیں یا نہیں جو اس کا انتظام کر سکیں۔ بہرحال میں چاہتا ہوں کہ اگر آپ کر سکتے ہوں تو کر دیجیے۔ اس سے بہتر ہوگا کہ میں کوئی اور انتظام کروں۔ چونکہ اس رکاوٹ کو فوراً دور کر دینا ضروری ہے۔ اس لیے میں اتنی زحمت اور دوں گا کہ آپ میرا یہ خط دیکھتے ہی مجھے ایک تار ضرور بھیج دیں تا کہ مجھے معلوم ہو جائے کہ انتظام ممکن ہے یا نہیں۔ باقی

رہا مجوزہ ادارہ کا مسئلہ تو انشاء اللہ چند دنوں کے بعد اس بارے میں ایک مفصل تحریر قلمبند کرکے بھیج دوں گا تاکہ آپ پر واضح ہو جائے کام کس شکل میں اور کس طرح انجام پانا چاہیے۔ عجب نہیں آپ کی آمادگی وقت کی سب سے بڑی اسلامی خدمت کی انجام دہی کا باعث و وسیلہ بن جائے۔

محمد ارشد سلمہٗ جب کلکتہ میں ملے تھے تو ان کی صحت اچھی نہ تھی۔ اُمید ہے کہ وطن کے قیام اور آب و ہوا کی تبدیلی سے صحت پوری طرح عود کر آئی ہوگی۔ مجھے مطلع کیجئے کہ اب وہ کیا کر رہے ہیں۔ انہوں نے پریکٹس کی طرف توجہ کی ہے یا نہیں؟

اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بہتر حالات بہم پہنچائے۔

ابوالکلام کان اللہ لہٗ

(۲)

کلکتہ، ۱۴-۵-۳۷

حُبی فی اللہ

السلام علیکم!

آپ نے میرے خط کے جواب میں جو تار بھیجا۔ اس میں صرف اپنے خط بھیجنے کا ذکر کیا تھا۔ اس سے میں سمجھ گیا کہ غالباً حالات ایسے نہیں ہیں کہ روپیہ کا فوری اہتمام ہو سکے اور اس لیے کوشش کی کہ کوئی دوسرا انتظام ہو جائے۔ اس کوشش کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ ہزار روپیہ کی رقم فراہم ہوگئی ہے۔ اب صرف ہزار روپیہ کی اور ضرورت باقی ہے۔ اس وقت آپ کا خط پڑھ کر خیال ہوا کہ صورتِ حال سے آپ کو مطلع کر دوں، چنانچہ ایک تار اس مضمون کا بھیج رہا ہوں۔ اگر صرف اتنی رقم کا انتظام فوراً ہو سکے تو کوشش کیجئے۔ اس طرح فوری مرحلہ طے ہو جائے گا اور کام کی رکاوٹ دور ہو جائے گی۔ نہیں تو خیر کچھ دنوں اور تاخیر سہی، مال طیار ہے۔ اور ہمیں اپریل میں پہلی قسط دے دینی تھی، اب کئی ہفتوں کی تاخیر ہوگئی۔

(۲) رسالہ بلاغ جو آپ نے بھیجا تھا۔ وہ میں نے دیکھ لیا تھا۔ لیکن اس میں کوئی بات ایسی نہ تھی جو قابلِ التفات ہو۔ دو باتیں ہیں اور دونوں کا حکم ایک نہیں ہوسکتا۔ ایک سوال یہ ہے کہ جہاں تک نجات و سعادت کا تعلق ہے، اسلام کی دعوت کیا ہے۔ اور وہ لازمی عقائد و اعمال کیا ہیں جن کے ماننے کا اسلام مطالبہ کرتا ہے؟ اس کا جواب تیرہ سو برس سے معلوم ہے، وہ چند گنے ہوئے عقائد و اعمال ہیں، جو ہر انسان چند لمحوں کے اندر معلوم کرسکتا ہے۔ اور جن کے علم و عمل میں کسی طرح کی پیچیدگی اور اشکال نہیں۔ ان بنیادی عقائد و اعمال کو مختلف تعبیروں میں ادا کیا گیا ہے۔ مثلاً دو شہادتوں کا اقرار اور چار عملوں کی تعمیل یا اس سے بھی مختصر اور جامع لفظوں میں ایمان اور اعمال صالح۔ ایمان میں ایمان باللہ، بالرسل، بالکتاب بالآخرہ وغیرہا عقائد آ گئے اور اعمال صالح میں ارکانِ اربعہ اور تمام حسنات معلومہ و معروفہ۔ جو انسان بھی ان دو باتوں کو مان لے اور تعمیل میں لگ جائے اس کے قدم نجات و سعادت کی راہ پر استوار ہوگئے۔ ایک صحرا نشین بدو تھوڑی دیر کے لیے آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا اور پوچھتا تھا۔ ''نجات کا طریقہ کیا ہے؟'' آپ اس کے جواب میں کہتے ہیں۔ پانچ باتیں۔ شہادتیں کا اقرار اور نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کے اعمال۔ وہ اقرار کرتا تھا اور یہ پکارتا ہوا واپس چلا جاتا تھا واللہ لا ازید ولا انقص۔ آپ اس کی پیٹھ کی طرف اشارہ کر کے کہتے جو کوئی نجات یافتہ انسان کو دیکھنا چاہتا ہے، اس بدو کو دیکھ لے!

پس جب کبھی ہم سے پوچھا جائے گا کہ اسلام کے نزدیک نجات و سعادت کی شرائط کیا کیا ہیں؟ ہم کہیں گے صرف اِن گنی ہوئی سیدھی سادھی باتوں پر یقین کرنا اور عمل میں لگ جانا۔ اس سے زیادہ یہاں شرطوں اور ان کی لمبی لمبی تفصیلوں کا کوئی الجھاؤ نہیں۔ اگر ایک شخص نے ان بنیادی عقائد و اعمال کی تصدیق و تعمیل کی شرط پوری کر دی، تو وہ یقیناً نجات و سعادت کی راہ پر لگ گیا۔ اگرچہ اس نے قرآن کی تفسیروں میں سے ایک تفسیر بھی نہ پڑھی ہو۔ حدیث کی کتابوں کا ایک صفحہ بھی نہ دیکھا ہو، فقہ کی مجلدات کی شکل و ہیئت سے بھی آشنا نہ

ہوا ہو۔ کیونکہ یہ جو کچھ ہے مزید علم و معرفت کا ذخیرہ ہے، شرطِ نجات نہیں۔

ایک صورت تو یہ ہوئی، دوسری صورت یہ ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم تیئیس (۲۳) برس تک دعوت اسلام میں مشغول رہے۔ ان کی اس زندگی مبارک کے تمام اقوال و اعمال راویوں نے محفوظ رکھنا چاہے اور ان کے ذخیرے مدون ہوگئے۔ یہ تدونیات اسلام کے دینی علوم و معارف کا ذخیرہ ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ دینی اور علمی حیثیت سے ان کی جگہ کیا ہے؟ کیا یہ یک قلم لائقِ اعتبار ہیں؟ کیا ان میں اور قرآن میں تضاد ہے؟ اس سوال کے جواب میں کہا گیا کہ ایسا نہیں ہے۔ احادیث اپنی جگہ رکھتی ہیں اور اس جگہ سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن حکم تھا، پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اس کی مجسم تعمیل تھے۔ پس ان کے تمام اعمال و ارشادات قرآن سے الگ کوئی چیز نہیں ہیں۔ اس کے اجمال کی مزید شرح و تفصیل ہے۔ البتہ اس بارے میں افراط و تفریط نہیں ہونی چاہیے۔ جو حدیث روایت و درایت کے لحاظ سے مقبول ہو، قبول کرنی چاہیے۔ جو اس معیار پر نہ اترے ردّ کر دینی چاہیے۔ نیز ہر حال میں اصل ردّ و قبول قرآن ہے۔ کوئی روایت جو اس سے معارض ہوگی، کسی حال میں بھی قبول نہیں کی جا سکتی۔ اگر چہ اس کی اسناد کتنی ہی عمدہ مان لی گئی ہوں۔

اب غور کیجیے ان دونوں سوالوں کے جواب میں تعارض کہاں سے آ گیا؟ پہلا سوال شرائطِ نجات سے تعلق رکھتا ہے، دوسرا احادیث کی دینی و عملی حیثیت سے۔ اگر میں نے ایک غیر مسلم کے استفسار کے جواب میں یہ کہہ دیا تھا کہ نجات کے لیے کتبِ حدیث کا علم ضروری نہیں تو اس سے یہ کہاں لازم آ گیا کہ احادیث سرے سے لائقِ اعتناء نہیں۔ انہیں ردّی کے ٹوکرے میں پھینک دینا چاہیے۔ پھر احادیث پر کیا موقوف ہے۔ خود قرآن کی نسبت یہی سوال پیدا ہو جاتا ہے۔ فرض کیجیے ایک غیر مسلم سوال کرے کہ نجات کے لیے کس قدر قرآن کا جان لینا ناگزیر ہے؟ اور میں اس کے جواب میں کہوں صرف سورۂ فاتحہ یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ کوئی اور چھوٹی سورۃ مثلاً قل ہو اللہ۔ اگر تم نے اتنا پڑھ لیا تو تمہاری نماز کے لیے

کافی ہے۔ تو اس سے کیا لازم آ جائے گا کہ میرے نزدیک سورۂ فاتحہ اور قل ھو اللہ کے علاوہ اور جس قدر قرآن ہے غیر ضروری ہو گیا۔ اور دین میں اس کا اعتبار نہیں؟

پہلا خط جو بلاغ میں درج کیا گیا ہے وہ ایک خاص خط کے جواب میں لکھا گیا تھا جس میں سائل نے ظاہر کیا تھا کہ وہ آریہ سماج سے تعلق رکھتا ہے اور یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ اسلام کا پیامِ نجات ہے کیا؟ نیز یہ بھی لکھا تھا کہ مسلمانوں کے مذہبی تفرقہ سے طبیعت سخت ملول ہو رہی ہے۔ اس کے جواب میں میں نے لکھ دیا کہ اسلام کے نزدیک شرطِ نجات صرف ایمان و عمل کے چند بنیادی امور ہیں جو انسان ان پر کاربند ہوگا وہ نجات یافتہ ہوگا۔ اگر چہ اس نے اور کچھ معلوم نہ کیا ہو۔ اس جواب کو احادیث کی اہمیت و عدم اہمیت کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں۔

(۳) کانگرس کی شرکت و عدم شرکت کی نسبت آپ نے عام خیالات کی طرف جو اشارہ کیا ہے وہ ٹھیک ہے۔ میں جانتا ہوں کہ بہت سے لوگوں کا خیال ایسا ہی ہے۔ لیکن میری بصیرت اس معاملہ کو بالکل دوسری ہی صورت میں دیکھتی ہے اور وہ آپ لوگوں کو ۱۹۱۱ء سے معلوم ہے۔ البتہ میں نہیں سمجھتا کہ یہ معاملہ اس طرح حل ہوگا جس طرح آج کل بعض حضرات حل کرنا چاہتے ہیں۔ اور انہوں نے محض یہ واقعہ دیکھ کر کہ کانگرس پچھلے الیکشن میں کامیاب ہوئی ہے، یہ محسوس کرنا شروع کر دیا ہے کہ مسلمانوں کو کانگرس میں شریک ہو جانا چاہیے۔ اس طرح کے وقتی اثرات کو کسی فیصلے کی بنیاد نہیں ہونا چاہیے۔ مسلمانوں کو اگر کانگرس میں شریک ہونا چاہیے، تو صرف اس لیے شریک ہونا چاہیے کہ ادائے فرض کا تقاضا یہی ہے اور اس کی بنیاد خود اعتمادی ہے، نہ کہ کسی طاقت کی خوشامد یا کسی طاقت سے اندیشہ۔ اگر ممکن ہوا تو کسی دوسرے موقعہ پر یہ تفصیل لکھوں گا۔ آج پہلے مسئلہ نے بہت جگہ لے لی۔

ابوالکلام

میں ایک تحریر اس بارے میں لکھ کر اخبارات میں بھیج رہا ہوں، اسے پڑھ لیجیے گا۔

(۳)

کلکتہ، ۳۰-۶-۳۷

محبی فی اللہ

خط پہنچا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزاءِ خیر دے کہ باوجود فصل کے نقصان کے اور حالات کی نامساعدہ کے مزید رقم کے لیے سرگرم وکوشاں ہیں۔ زمین کی فصل کے علاوہ ایک آسمان کی بھی فصل ہے، تخم ریزی آپ نے کر دی ہے۔ اب فصل کا انتظار کیجیے۔ انشاء اللہ خدمتِ حق کا یہ عملِ خیر رائیگاں نہیں جائے گا، ضرور بار آور ہوگا۔ واللہ احیا عف لمن لشاہ واللہ واسع علم۔

باقی رہا کاغذ کے بقیہ مطالبہ کا معاملہ تو اس میں شک نہیں کہ میں اپنی جگہ یکسو ہوگیا تھا، اور خیال کیا تھا کہ آپ کے اخلاص ومحبت پر بوجھ ڈال دیا ہے۔ اب کسی دوسرے کے آگے لب کشائی نہ کروں گا۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ آپ اسی حد تک قدم بڑھا سکتے ہیں، جہاں تک حالات ساتھ دیں، اور کسی حال میں بھی مجھے یہ بات گوارا نہیں ہوسکتی کہ بیٹھے بٹھائے آپ کو پریشانی میں ڈال دوں۔ اگر حالات کی رفتار نامساعد ہے تو پھر ضروری ہے کہ کوئی دوسری فکر کی جائے۔

کاغذ کی پہلی قسط دے دی گئی ہے اور آئندہ قسطوں کے لیے ۱۵ جولائی اور ۱۵ ستمبر کا وعدہ ہے، چونکہ پورے مال کا معاملہ کرلیا گیا ہے، اس لیے اب اس کی گنجائش نہیں رہی ہے کہ اس میں ردّ و بدل کیا جائے۔ ۱۵ جولائی کو چودہ سو ضرور دے دینا ہے اور پھر ستمبر کی فکر کرنی ہے۔ آپ مزید ایک ہزار کی ہمت کر رہے ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ اٹھارہ سو کی کمی رہ جائے گی اور جولائی کے فوری مطالبہ میں چار سو کی۔

آپ نے لکھا ہے کہ اگر میری جانب سے اجازت ہو تو آپ کسی دوسرے اہلِ خیر سے اس بارے میں تحریک کریں۔ اگر آپ کے شناساؤں میں کوئی صاحب ایسے موجود ہوں جو خوش اسلوبی کے ساتھ اس قرضِ حسنہ میں شریک ہوسکیں، تو آپ تحریک کر سکتے ہیں۔ جب

آپ متوسط ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ میں متامل ہوں۔ میرے دل میں آپ کے اخلاص ومحبت پر پورا اعتماد پیدا ہوگیا ہے۔ سرِ دست فوری ضرورت تو یہی ہے کہ ۱۵ جولائی کو پوری رقم دے دی جاسکے پھر ستمبر میں مزید انتظام کا معاملہ رونما ہوگا۔ پس اگر آپ کے حالات اس حد تک مساعد ہوگئے کہ ایک ہزار کی رقم فراہم ہوگئی تو صرف چار سو کا مزید بوجھ انہیں ابھی اٹھانا ہوگا اور باقی ستمبر کے لیے آمادگی مطلوب ہوگی۔ ستمبر میں جو رقم دی جائے گی، اس کی مدتِ وصولی اور زیادہ کم ہوجائے گی۔ یعنی صرف چار پانچ ماہ کے لیے روپیہ رکنے کا سوال رہ جائے گا۔

کانگرس کی شرکت و عدم شرکت کے بارے میں آپ نے دریافت کیا ہے کہ یہ بات کیوں موجبِ اعتراض سمجھی جائے کہ مسلمان پہلے اپنے حقوق و مفاد کے بارے میں اطمینان حاصل کرلیں۔ پھر اس کی جدوجہد میں شریک ہوں اور جب تک اس طرح کا اطمینان انہیں نہیں دلایا جاتا، صاف صاف شرکت سے انکار کردیں۔

دو صورتیں، اور دونوں کا حکم الگ الگ ہے۔ ایک صورتِ حال یہ ہے کہ ہندوستان میں مختلف جماعتوں کے اغراض متصادم ہو رہے ہیں، اور باہمی اعتماد مفقود ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس طرح کے تمام مسائل کا ایک اطمینان بخش فیصلہ ظہور میں آجائے اور اس طرح کے فیصلہ کے حصول میں اُس وقت تک کتنی ہی ناکامیاں ہوچکی ہوں، تاہم ہر محبِّ وطن فرد اور جماعت کا فرض ہے کہ سعی سے باز نہ آئے اور کوشش میں لگا رہے۔

معاملہ کی اس صورت سے کسی کو انکار نہیں ہے، کم از کم میری نسبت تو یہ نہیں خیال کیا جاسکتا کہ میں ان کا مخالف ہوں۔ اگر میں اس کا مخالف ہوتا تو کیا سترہ برس سے اس کے لیے متواتر کوشش کرتا رہتا۔ کس نے کانگرس سے یہ فیصلہ کردیا کہ کمیونل ایوارڈ کے خلاف ہندو ایجی ٹیشن نہیں ہونا چاہیے بلکہ کوشش کرنی چاہیے کہ باہمی رضامندی سے کوئی بدل پیدا ہو۔ کس نے کانگرس میں عزم و استقامت پیدا کی کہ تمام ہندو جماعتوں کی مخالفت برداشت کرے اور

باوجود الیکشن میں پڑنے اور انہی دونوں کے غرض مند ہونے کے اپنے مسلک پر قائم رہے۔ پھر ۳۳ء میں کس نے از سر نو انفصال کی کوشش کی اور سندھ کی علیحدگی اور مرکزی اسمبلی کے تناسب پر مخالفوں کو رضامند کیا؟ اتنا ہی نہیں بلکہ گذشتہ نومبر سے پھر میں نے ایک نئی کوشش شروع کر دی تھی اور اگر بعض نادانوں نے ایک بے کل صدا لگانی شروع نہ کر دی ہوتی تو بہت ممکن تھا کہ انفصال کی راہ نکل آتی۔ میں اب بھی اس سے غافل نہیں اور ہر وقت میری انگلیاں نبض پر ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ ملک کی سیاسی جدوجہد کا قافلہ رواں ہے اور اس کا مطالبہ ہے کہ رشتۂ اقتدار اجنبیوں کی جگہ ہندوستانیوں کے ہاتھ میں آئے۔ اب مسلمان اپنے طرزِ عمل کا مقدمہ یوں ترتیب دیں کہ انہیں اپنے مستقبل کی طرف سے خطرہ ہے۔ یعنی اگر اقتدار انگریزوں کے ہاتھ سے نکل کر ہندوستانیوں کے ہاتھ آیا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اکثریت کے ہاتھ آیا اور مسلمان مارے گئے۔ پس وہ سیاسی جدوجہد میں شریک نہیں ہوسکتے، ہاں شریک ہوسکتے ہیں اگر انہیں خطروں کی طرف سے مطمئن کر دیا جائے۔ یہ اطمینان انہیں کیونکر حاصل ہوسکتا ہے؟ اس طرح کہ کانگرس اطمینان دلا دے۔ اگر کانگرس نے اطمینان دلا دیا اور کوئی تجویز پاس کر دی تو پھر وہ جوق در جوق شریک ہو جائیں گے۔

اس صورت سے بلاشبہ مجھے اختلاف ہے۔ اختلاف ہی نہیں بلکہ بہ حیثیت مسلمان ہونے کے میں کسی ایسی صورتِ حال کا تصور بھی برداشت نہیں کرسکتا۔ مسلمانوں نے جونہی معاملہ کو اس شکل میں دیکھا، انہوں نے اپنی ہستی فنا کر دی۔ انہوں نے تسلیم کرلیا کہ وہ مستقبل میں اپنے مفاد کے لیے خود اپنے پر اعتماد نہیں رکھتے، دوسروں کے سہارے جینا چاہتے ہیں اور یہی تسلیم کر لینا سمِ قاتل ہے۔

کیا آٹھ کروڑ انسانوں کے لیے جن کی تیرہ صدیوں کی تاریخ ابھی تک دنیا نے فراموش نہیں کی اس سے زیادہ کوئی توہین و تذلیل ہوسکتی ہے کہ وہ کانگرس سے یا کسی ملکی انجمن

سے اس کے خواہشمند ہوں کہ ہمارے جی نہ ڈر نکال دو تو ہم آزادیٔ ملک کی راہ میں جنبش کریں۔ اگر مسلمان کانگرس میں شریک نہیں ہونا چاہتے تو نہ شریک ہوں، یہ بے عملی کا تعطل ہوگا، خود فراموشی کی موت نہیں ہوگی۔ لیکن اگر انہوں نے معاملہ کو اس شکل میں دیکھ کر قدم اٹھایا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ انہوں نے ہمیشہ کے لیے ہندوستان میں خود اعتمادی اور پامردی کی جگہ کھو دی۔ یہ جماعتی زندگی کی موت ہے۔ اور جب موت ایک مرتبہ آجاتی ہے تو پھر کسی کے ٹالے نہیں ٹل سکتی۔

مسلمان کیوں بزدلی اور ہمت فروشی کا یہ کلمہ مُنہ سے نکالیں۔ وہ اپنا مستقبل سرتاسر خطرہ میں دیکھ رہے ہیں اور کانگرس ایک ریزولیوشن پاس کردے تو یہ خطرہ دور ہو جائے گا۔ کانگرس کی کیا ہستی ہے کہ وہ آٹھ کروڑ مسلمانوں کے دل کا ہراس نکال دے۔ ہندوستان میں مسلمان آٹھ کروڑ ہیں اگر آٹھ کروڑ کی جگہ آٹھ لاکھ بھی ہوتے تو انہیں زیب نہیں دیتا تھا کہ یہ پوزیشن اختیار کریں۔ دنیا میں جماعتی حقوق و مفاد کا تحفظ خود اعتمادی کی روح سے ہوتا ہے نہ کہ ہمت فروشی کی اندیش ناکی سے۔

بہر حال ۱۹۱۲ء سے میری دعوت مسلمانوں کے لیے یہی رہی ہے کہ جہاں تک ملک کی سیاسی جدوجہد کا تعلق ہے، انہیں بلا کسی شرط کے شریک ہونا چاہیے۔ اور یہ کہہ کر شریک ہونا چاہیے کہ وہ محض ادائے فرض کے لیے شریک ہو رہے ہیں۔ اس لیے شریک نہیں ہو رہے کہ ہندوؤں نے انہیں ان کے مستقبل کی طرف سے مطمئن کر دیا ہے۔ مستقبل کے لیے ان کا تمام تر اعتماد خود اپنی ہمت اور خود اعتمادی پر ہونا چاہیے۔ جب تک ان میں یہ احساس باقی رہے گا کہ ان کے حقوق ہیں اور وہ ضائع نہیں ہونے چاہئیں۔ دنیا کی کوئی طاقت نہیں کہ انہیں ضائع کر سکے۔

اور اگر فی الحقیقت ان کے لیے خطرات موجود ہیں تو میں تسلیم نہیں کرتا کہ کانگرس یا کسی جماعت کی کوئی تجویز ان خطرات کو ردّ کر سکتی ہے۔ آج کتنی ہی تجویزیں کوئی پاس

کردے، کل جب وقت آئے گا تو ان تجویزوں کی رائی برابر بھی قیمت نہیں ملے گی۔ ہوگا وہی جو ایک جماعت اپنے عزم و ہمت سے حاصل کر سکے گی۔

ابوالکلام

دراصل اس بارے میں اول دن سے میرا اور ابنائے عصر کا اختلاف فرع میں نہیں ہے۔ اصل میں سوال یہ ہے کہ ہندوستان کے مسلمانوں کو اپنے سیاسی مستقبل کا جو مقدمہ بنانا چاہیے، اس کی بنیاد عزم و یقین پر ہونی چاہیے یا خوف و تشکیک پر۔ میں کہتا ہوں عزم و یقین پر۔ لوگ کہتے ہیں نہیں شک اور خوف پر، سارا اختلاف اسی اصل کا ہے۔

تہ میں جو چیز کام کر رہی ہے، وہ محض سیاسی ہی نہیں ہے، کچھ اور بھی ہے۔ میں نے اول دن سے افکار و عقائد کے جو اصول سامنے رکھے ہیں، وہ قرآن کی تعلیمی روح پر مبنی ہیں۔ میں محض دلائل سے نہیں بلکہ ایمان و یقین سے اپنی عمارتیں استوار کرتا ہوں۔ میں ایک لمحہ کے لیے یہ تسلیم نہیں کر سکتا کہ مسلمان کسی راہ میں بھی خوف و شک کی تاریکی ساتھ لے کر چل سکتے ہیں۔ ان کے لیے ہر گوشہ میں ایمان و یقین کی روشنی موجود ہے۔ لیکن بعض ابنائے عصر ان بنیادی عقائد سے آشنا نہیں ہیں، اور اس لیے بہت دشوار ہے کہ وہ کسی راہ میں بھی وہ مجھ سے متفق ہو سکیں۔

ابوالکام

(۴)

کلکتہ، ۶-۸-۳۷

حُبی فی اللہ

السلام علیکم!

مجھے مجبوراً ۲ جولائی سے ۲ اگست تک سفر کی حالت میں رہنا پڑا، سفر کی بے آرامی کے علاوہ موسم کی سختی بھی میرے لیے ناقابل برداشت تھی، نتیجہ یہ نکلا کہ صحت نے جواب دے

دیا اور کلکتہ پہنچ کر کئی دن تک معطل رہا۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو اتنے عرصے کے بعد خط لکھ رہا ہوں۔ آپ کے تینوں خط ڈاک میں مل گئے تھے۔

میں آپ کو آخری خط لکھ کر روانہ ہو گیا تھا۔ یہاں کہہ گیا تھا کہ روپیہ آئے تو مجھے بذریعہ تار اطلاع دی جائے، تاکہ ۱۵ جولائی کی قسط ادا کر دی جائے۔ لیکن مجھے کوئی تار نہیں ملا اور ۱۵ نکل گئی۔ پھر دریافت کیا تو جواب ملا کہ کیمبل پور سے ایک رجسٹرڈ لفافہ آیا ہے۔ جس میں ایک ہزار کا ڈرافٹ ہے۔ چونکہ یہ رقم کافی نہ تھی، اس لیے مجبوراً یہ صورت اختیار کی کہ ۵۔ اگست کا چیک دستخط کر کے کاغذ والے کو بھیج دیا۔ اب کلکتہ آ کر چار سو کا مزید اہتمام کیا۔ اور کُل چودہ سو بنک میں بھیج دیئے گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے، باوجود ہر طرح کے موانع کے آپ نے یہ مزید رقم بھی بھیج دی۔ اب ۱۵۔ ستمبر کو چودہ سو اور دینے ہیں۔ لیکن اس میں ابھی دیر ہے۔

آپ نے ''شناسا'' کی قید کا ذکر کیا ہے، میں نے یہ لفظ کسی اور خیال سے نہیں لکھا تھا، محض اس لیے لکھا کہ آدمی کسی بات کے لیے کسی کو کہتا ہے، تو بہرحال وہ شناسا ہی ہوتا ہے، راہ چلتے کو نہیں کہتا۔ بہرحال اس بارے میں آپ کو مزید زحمت میں ڈالنا کسی طرح موزوں نہیں معلوم ہوتا۔ آپ نے جو کچھ کیا ہے اور جس اخلاص کے ساتھ کیا ہے، اس کے لیے شکرگزار ہوں۔

کانگرس کی نسبت آپ نے جو بات لکھی ہے، وہ نہایت تعجب انگیز ہے۔ کانگرس کسی خاص آدمی کا نام نہیں ہے، بلکہ جمہوری ادارہ کا نام ہے۔ ہر سال اس کا ایک صدر چنا جاتا ہے۔ اور ہمیشہ عہدوں کی تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کسی سال اس کا صدر مذہبی امور میں ایک خاص عقیدہ کا آدمی ہو اور دوسرے سال دوسرے عقیدہ کا۔ اس لیے اس کی پالیسی اور سیاسی مشرب پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔ اگر آج کل جواہر لال اس کا صدر ہے جو مذہبی عقائد میں آزاد خیال ہے تو کل تک کئی ایسے آدمی صدر ہو چکے ہیں جو راسخ الاعتقاد مذہبی تھے

اور آئندہ بھی ہو سکتے ہیں۔

علاوہ بریں آپ نے جو اظہارات جواہر لال کی طرف منسوب کیے ہیں، وہ صحیح بھی نہیں ہیں۔ یہ غالباً پنجاب کے اخبارات کے اختراعات ہیں۔ کیا آپ مجھے بتلائیں گے کہ جواہر لال نے کب اور کہاں یہ جملہ لکھا ہے یا کہا ہے کہ ''مسلمانوں کے پاس مذہب صرف استنجے کا ڈھیلا ہے۔''؟

اس غریب کو تو شاید یہ معلوم بھی نہیں ہوگا کہ استنجے کے لیے ڈھیلا استعمال کیا جاتا ہے۔ باقی رہی اس کی یہ شکایت کہ جھانسی کے الیکشن میں قرآن اور اسلام کا نام کیوں درمیان میں لایا گیا تو کسی طرح بھی یہ قابلِ اعتراض نہیں ہے اور نہ اسے تحقیرِ اسلام پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ اولاً تو وہ ایسی ہی شکایت ہندو سبھا والوں کی بھی کر چکا ہے۔ ثانیاً اصولاً بھی بات غلط نہیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں رفیع الدین اور نثار احمد میں سے (جو الیکشن میں کھڑے ہوئے تھے) کسی ایک کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ صرف اپنے ہی کو قرآن اور اسلام کا حامی قرار دے اور دوسروں کو اس سے محروم بتلائے۔

آپ کا یہ نقطۂ خیال صحیح نہیں ہے کہ ''ایسے قائد کی اطاعت کہاں تک درست ہے''۔ کانگرس میں شرکت کے یہ معنی کہاں سے نکالے گئے ہیں کہ ''صدر کی اطاعت کرنی پڑتی ہے'' اطاعت کا یہاں کیا سوال ہے۔ اب اور کب کوئی ایک شخص بطور قائد کے صدر رہتا ہے۔ اس قسم کے اداروں میں شرکت محض اشتراکِ عمل کی ہوتی ہے نہ کہ اطاعتِ شخصی کی۔

آپ نے وقت کی سیاسی جدوجہد کے ساتھ حکومتِ الٰہی کا بھی ذکر کر دیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ کے مقدمات پہلے صاف ہونے چاہئیں۔ یہ خط و کتابت سے نہیں ہو سکتا۔ اگر کبھی یکجائی کی صورت نکلی تو انشاء اللہ تفصیلِ صورت حال سمجھاؤں گا۔ میرے لیے ناممکن ہے کہ سرِ دست بنوں کانفرس کے لیے وقت نکال سکوں۔ لوگ بطور خود ایک بات ٹھہرا لیتے ہیں اور گرم بازاری کے لیے اخبارات میں اعلان کر دیتے ہیں۔ البتہ بہت ممکن ہے کہ

آئندہ کسی موقعہ پر سرحد جانا پڑے۔ اگر ایسی صورت پیش آئی تو انشاء اللہ پوری کوشش کروں گا کہ آپ کے لیے وقت نکالوں--- ''آپ کے لیے'' نہ کہ کیمبل پور کے لیے۔ اُمید ہے آپ بھی مجھے صرف میرے لیے ٹھہرانا چاہتے ہیں، شور و ہنگامہ کے لیے نہیں۔

''ابوالکلام''

(۵)

کلکتہ، ۲۷-۸-۳۷

حُبی فی اللہ

السلام علیکم

خط پہنچا، یہ معاملہ ایسا ہے کہ جب تک یکجائی نہ ہو اور بالمشافہ گفتگو نہ کی جائے، محض خط و کتاب سے صاف نہیں ہوسکتا۔ مشکل یہ ہے کہ طرح طرح کی غلط فہمیاں کام کر رہی ہیں اور ایسے مقدمات بنا لیے گئے ہیں جو قطعاً بے بنیاد ہیں۔ جب تک وہ مقدمات صاف نہ کئے جائیں، شکوک کا ازالہ نہ ہوگا۔

مثلاً آپ نے اس کاغذ پر جو تین باتیں لکھی ہیں اور انہیں بنیادی مقدمہ قرار دیا ہے، صحیح نہیں ہیں۔ نہ کانگرس کا یہ مشن ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ نہ اس نے حکومت کا کوئی ایسا نقشہ بنایا ہے جو اس کی طرف منسوب کیا جا رہا ہے۔

مجھے باوجود خرابی صحت حالات کے تقاضا سے مجبور ہو کر فیصلہ کر لینا پڑا کہ پشاور یا ایبٹ آباد جاؤں۔ میں ۲۹ اگست کو پنجاب میل سے روانہ ہوں گا اور ۳۱ کی شام کو پشاور پہنچوں گا۔ افسوس ہے کہ کیمبل پور میں ٹھہرنے کا جو خیال ہوا تھا، وہ اس سفر میں ممکن نہیں۔ البتہ یہ بہتر ہوگا کہ آپ ایک دن کے لیے پشاور آ جائیں اور مجھ سے مل لیں۔

فرخندہ شبے باید و خوش مہتابے
تا با تو حکایت کنم از ہر بابے

کیمبل پور سے پشاور دُور نہیں ہے۔ چند گھنٹوں کا سفر ہے۔ والسلام علیکم!

ابوالکلام کان اللہ

(۶)

حبّی فی اللہ، السلام علیکم

تاخیر کے لیے خواستگارِ معافی ہوں۔ سفر اور پے در پے علالت نے اس وقت تک خطوط دیکھنے کی مہلت نہیں دی۔

آپ نے جس کام کی نسبت دریافت کیا ہے، یہ سالہا سال سے پیشِ نظر ہے۔ جی چاہتا تھا زندگی کی جتنی مہلت باقی ہے اسی میں بسر کر دوں۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اربابِ زر کو اس طرف توجہ نہیں اور عوام سے بطریق چندہ جمع کر کے کام کرنا میرے شیوہ کے خلاف ہے۔ مجبوراً اس سے قطع نظر کر لینی پڑی اور پھر اتنے ہی پر قناعت کر لی جو شخصاً خود انجام دے سکتا ہوں۔

بڑی مشکل میرے لیے یہ ہے کہ اپنی افتادِ طبیعت سے مجبور ہوں۔ اس کے خلاف ایک قدم چل نہیں سکتا اور زمانہ کا حال دوسرا ہے۔ میرے لیے ممکن نہیں کہ کسی کام کی اعانت کے لیے اپلیں کرتا رہوں۔ میں زیادہ سے زیادہ جو کر سکتا ہوں، وہ یہی ہے کہ ایک مرتبہ کسی کام کی طرف اشارہ کر دوں اور پھر خاموش ہو جاؤں۔ میں نے ترجمان القرآن، جلد اول میں اس کام کا ذکر کر دیا۔ اب دوبارہ یہ صدا میری زبان وقلم سے نہیں نکل سکتی۔

ایک درمیانی صورت انجام دہی کی یہ تھی کہ ایک مُعیّن اور محدود مقدار اہلِ خیر کی ایسی نکل آئے، جن میں سے ہر فرد ایک معین رقم کا بوجھ اُٹھا لے اور اس طرح اس ادارہ کی بنیاد پڑ جائے۔ مثلاً تمام ملک میں پچاس آدمی ایسے نکل آئیں جو اس کام کے لیے دو دو ہزار روپیہ نکال سکیں یا سو آدمی نکل آئیں جو ہزار ہزار روپیہ تک کی اعانت کر سکیں۔ اسی طرح ایک حلقہ ایسے اہلِ خیر کا پیدا ہو جائے جو تین سال کے لیے ایک مُعیّن رقم ماہوار دینا قبول کر لے۔

اس صورت میں نہ تو متمول طبقہ کی احتیاج باقی رہتی، نہ عوام سے عام طور پر چندہ جمع کرنے کی ناقابلِ برداشت صورت گوارا کرنی پڑتی۔ لیکن ابھی تک میری طبیعت اس پر بھی جمی نہیں ہے۔

مسلمانوں میں عام طور پر سطحی تفاخر و تظاہر کا جذبہ پیدا ہو گیا ہے اور یہ عمل کے لیے مہلک ہے۔ وقت کے مدعیانِ کار بھی اسی رَو میں بہہ رہے ہیں۔ ٹھوس اور حقیقی کاموں کے لیے کوئی آمادہ نہیں۔ بحالت موجودہ ٹھیک وہی صورتِ حال سب پر طاری ہو رہی ہے جسے قرآن نے اُمیہ کی زندگی سے تعبیر کیا ہے۔

ومنهم اميون لايعلمون الا مانى

میرے سامنے جو بائبل سوسائٹی کا طریقِ کار تھا۔ انہوں نے اس کام پر کروڑوں صرف کر دیئے اور کر رہے ہیں۔ ہم لاکھوں کے لیے بھی تیار نہیں ہو سکتے۔ وقت کی بے سروسامانیوں پر نظر رکھ کر میں نے ایسی سکیم بنائی تھی کہ تھوڑے سرمایہ سے زیادہ کام انجام پا جائے اور آئندہ کے لیے ادارہ کو مزید احتیاج کا سامنا نہ ہو۔ میں چاہتا تھا صرف اتنا سامان ہو جائے کہ تین سال کے اندر قرآن کے نو ترجمے ہندوستان کی زبانوں میں اور چار بیرونی زبانوں میں (یعنی انگریزی، فرنچ، ترکی اور فارسی میں) مرتب ہو کر شائع ہو جائیں۔ نیز قرآن حکیم کے مطالبہ و الفاظ پر چند بنیادی تدونیات مکمل ہو جائیں۔ سکیم کہیں کاغذات میں پڑی ہوگی۔ تلاش کروں گا تو مل جائے گی، مصارف کے لیے یکمشت رقم کا اندازہ ایک لاکھ کیا تھا جو تراجم اور مدونات کی طباعت پر صرف ہوتا اور ادارہ کے لیے اڑھائی ہزار ماہوار کی رقم ناگریز معلوم ہوئی تھی جو صرف تین سال کے لیے مطلوب ہوتی۔

یہ تخمینہ اتنے بڑے کام کے لیے بہت ہی تھوڑا معلوم ہوتا ہے لیکن میرے سامنے اس طرح کے کوائف تھے کہ اس رقم سے کم از کم پانچ گنے رقم کا کام انجام پاتا۔ میرا کتب خانہ اس کے لیے وقف ہو جاتا۔ میری مصنفات اس کام آتیں۔ خود اس کی مطبوعات بھی سرمایہ میں اضافہ کرتی رہتیں، نیز ایک کافی تعداد ایسے ایثار پیشہ اہلِ علم کی موجود تھی اور موجود ہے جو

یقیناً میرا ساتھ دیتی اور کم سے کم معاوضہ پر کام کرتی۔

آپ کہیں گے کہ کام کے لیے کیوں بیک دفعہ پورا سروسامان ضروری ہوا۔ اس سے کم میں کام کیوں نہ شروع کر دیا جائے۔ ٹھیک ہے اگر نصف کا بھی سامان ہو جائے تو میں کام شروع کر دوں۔ لیکن صورتِ حال ایسی ہونی چاہیے جس پر پوری ذمہ داری کے ساتھ اعتماد کیا جا سکے۔ میں چندوں اور اپیلوں کے ساتھ کبھی کام نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ آپ کو جزاء خیر دے، آپ نے یہ ذکر چھیڑ دیا۔ تو اس درازنفسی پر مجبور ہو گیا۔ آپ اس بارے میں کیا کر سکتے ہیں جو کچھ کیا جا سکتا ہے، کرنا چاہیے جو نہیں کیا جا سکتا، اسے مشیتِ الٰہی کے حوالہ کر دینا چاہیے۔

آپ نے سورۂ طٰہٰ کے جس مقام کی نسبت دریافت کیا ہے، وہاں واقعی الفاظ کی رعایت اس حد سے کچھ زیادہ ہوگی جس حد تک میں ترجمہ میں ملحوظ رکھتا ہوں۔ اصل میں اخذ لحیہ و براس عربی کا ایک محاورہ ہے جو ایسے موقع پر بولا جاتا ہے جیسا وہاں پیش آ گیا تھا۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ فی الحقیقت ڈاڑھی اور سر کے بال ہاتھ سے پکڑ کر کھینچے گئے ہوں۔ بہتر تھا کہ وہاں مفہوم کو ترجیح دی جاتی مگر اصل کی رعایت نے میرا قلم پکڑ لیا۔ اگر مہلت ملی تو انشاء اللہ دوسرے ایڈیشن میں یہ مقام واضح کر دیا جائے گا۔

تیسری جلد کی اشاعت میں صرف اتنی ہی دیر ہے جتنی طباعت میں ہونی چاہیے۔ کتابت کی رفتار بہت سست رہتی ہے، اس لیے زیادہ وقت صرف ہو جاتا ہے۔

ابوالکلام

جواب کے لیے ٹکٹ کی ضرورت نہ تھی، آئندہ اس کا خیال رکھیے۔ آپ کا لفافہ کام میں لاتا ہوں اور ٹکٹ واپس بھیجتا ہوں۔

ابوالکلام

(۷)

کلکتہ، ۲۵-۱۱-۳۸

عزیزی، السلام علیکم!

خط پہنچا، ادھر طبیعت اور زیادہ خراب ہوگئی تھی۔ اس لیے خط وکتابت کے لیے وقت نکالنا دشوار تھا۔ آج اس طرف متوجہ ہوا تو سب سے پہلے آپ کا خط نکالا۔ آپ نے لکھا تھا کہ اس بارے میں علماء کو اپنا اختلاف دُور کر لینا چاہیے۔ میرے لیے مشکل تھا کہ میں قیاس کرسکتا کہ آپ کا اشارہ علماء کے کس طبقہ کے اختلاف سے ہے۔ تاہم اصولاً اس بات سے تو اختلاف کی کوئی وجہ نہ تھی کہ بصورتِ اختلاف رفع اختلاف کی کوشش کی جائے لیکن اب آپ نے جو نام لکھے ہیں، انہیں پڑھ کر مجھے تعجب ہوا کہ آپ کی یہ تمام سعی صرف اس بات کے لیے تھی اور آپ اس معاملہ کو علماء کے اختلاف سے تعبیر کر رہے ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ یہ خیال آپ کو کیوں ہوا اور اس کے موثرات و بواعث کیا ہیں۔

بہرحال جو صاحب بھی ہوں، اگر انہیں اختلاف ہے اور وہ چاہتے ہیں کہ اس باب میں بحث وغور کریں تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ بات ناپسند کی جائے۔ جمعیۃ علماء غالباً چند ہفتوں کے اندر اپنی مجلسِ عاملہ بلانا چاہتی ہے۔ اس موقع پر جمعیۃ کے تمام ارکان موجود ہوں گے۔ جن صاحبوں کی نسبت بھی آپ کا خیال ہے وہ اس موقع پر آ جائیں اور جن صاحبوں سے تبادلۂ خیال اس باب میں کرنا چاہیں ضرور کریں۔ اس بات سے کسی کو بھی اختلاف نہ ہوگا۔ امید ہے آپ اور آپ کے متعلقین بھی بخیر و عافیت ہوں گے۔

ابوالکلام کان اللہ

خط رجسٹری بھیجنا ضروری نہیں ہے۔

(۸)

کلکتہ، ۱۹۳۸ء

حُبّی فی اللہ

یہ خیال صحیح نہیں ہے کہ مسلم لیگ کو موجودہ فرصت ضائع کر دینی چاہیے۔ اس سے زیادہ کوئی غلط طرزِ عمل نہیں ہو سکتا۔

لیکن بہر حال آپ کا یہ خیال کہ اس بارے میں علماء یک جا ہو کر تبادلۂ خیالات کریں ہر حال میں مستحسن ہے۔ مجھے ایک لمحہ کے لیے اس میں تامل نہیں۔ لیکن مجھے مطلع کیجئے کہ آپ کے پیشِ نظر کیا تفصیلات ہیں اور کن کن علماء کو آپ یکجا کرنا چاہتے ہیں؟ آپ کا جواب آ جائے تو پھر اس بارے میں مزید اظہارِ خیال کروں۔ والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

ابوالکلام کان اللہ

کلکتہ، ۲۹۔ اکتوبر ۳۸ء

(۹)

کلکتہ، ۳۹-۱-۸

حُبّی فی اللہ

آپ کا خط بروقت مل گیا تھا اور رکھ لیا تھا کہ ذرا مہلت ملے تو جواب دوں۔ اس بارے میں آپ بالکل غلط قیاسوں اور غلط نقشوں پر چل رہے ہیں۔ آپ کا قصد نیک ہے، ولولہ قابلِ تحسین ہے لیکن طریق کار آلودہ ہو گیا ہے۔

آپ نے جب مجھے لکھا کہ علماء کی مختلف جماعتوں میں اختلاف ہے۔ باہم مشاورت سے یہ اختلاف دُور ہو جانا چاہیے تو میرا ذہن کسی خاص جماعت علماء کی طرف منتقل نہ ہو سکا۔ بہ حیثیت جماعت کے ایک گروہ جمعیۃ علماء ہند کا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسرا منظم گروہ موجود نہیں تاہم مجھے خیال ہوا کہ شاید کوئی گروہ آپ کے پیشِ نظر ہو۔ آپ کی یہ تجویز کہ

باہمدگر مشورہ ہونا چاہیے، ہر حال میں معقول ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ کسی کو اس سے اختلاف ہو۔ اس بناء پر میں نے آپ کو لکھا کہ آپ لکھیے کون سی جماعت ہے، ضرور موقع باہم گفتگو کا نکالا جائے۔ اس کے جواب میں آپ نے جو نام لکھے ان میں کوئی نام ایسا نظر نہیں آیا جس کا تعلق علماء کے کسی خاص گروہ سے ہو اور مسلمانوں کے سیاسی طرزِ عمل کی نسبت وہ بہ حیثیت ایک جماعت کے کوئی خاص مسلک رکھتا ہو۔ یہ دیکھ کر مجھے تعجب ہوا اور تعجب کا اظہار خط کے بعض جملوں میں ہو گیا۔

لیکن بہرحال کوئی جماعت ہو یا کوئی فرد ہو اگر وقت کے مسائل و مہمات کی نسبت وہ ایک رائے رکھتا ہے تو اسے پورا حق ہے کہ اسے ظاہر کرے اور ہمارا فرض ہے کہ اسے سنیں۔ محض اس وجہ سے کہ وہ بہ حیثیت ایک فرد کے اظہارِ خیال کر رہا ہے۔ اس کی حیثیت اور اہمیت گھٹ نہیں جاتی۔ اس لیے میں نے لکھا تھا کہ کیوں نہ جمعیۃ علماء کی مجلسِ عاملہ کے انعقاد کے موقع پر ایسے حضرات دہلی آ جائیں اور اطمینان کے ساتھ گفتگو کا موقع بہم پہنچایا جائے۔ جمعیۃ کا خیال مجھے اس لیے ہوا تھا کہ دو ماہ سے مولوی احمد سعید صاحب مجھے لکھ رہے ہیں کہ جمعیۃ کی مجلسِ عاملہ وہ بلائیں گے اور جس طرح بھی ہو میں اس میں ضرور شریک ہوں۔ میں نے شرکت کا وعدہ کر لیا ہے۔ اس لیے خیال ہوا تھا کہ میں بھی موجود رہوں گا۔ اس لیے جو حضرات بھی چاہیں گے، اُن سے وہاں بہ اطمینان گفتگو ہو سکے گی۔ آپ کا مقصد جو کچھ میں سمجھ سکا ہوں، وہ یہ ہے کہ بعض اشخاص کی نسبت آپ چاہتے ہیں کہ وہ یک جا ہو کر مسلمانوں کے طریقِ کار کی نسبت گفتگو کریں۔ لیکن کیوں اس معاملہ کو آپ زیادہ مختصر نہ کر دیں؟ جن صاحبوں کی نسبت آپ کا یہ خیال ہے، کیوں وہ مجھ سے مل کر یا خط و کتابت کر کے کسی نتیجہ تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے؟

میں ہر حال میں طیار ہوں۔

وہ کلکتہ آ سکتے ہیں؟ اگر آ سکتے ہیں تو شکر گزار ہوں گا۔

آپ نے ترجمان حصہ سوم کی نسبت لکھا ہے۔ افسوس ہے کہ اس کی اشاعت میں دیر ہوتی گئی۔ اور اب بھی غالباً سات آٹھ ماہ اور لگیں۔ ایسی حالت میں یقیناً اب اس کی گنجائش نہیں ہے کہ میں آپ کو رقم کی واپسی کے انتظار کی مزید زحمت دوں۔ بہر حال کام آپ ہی کی اعانت سے شروع ہوا ہے اور اس کا اجر آپ ہی کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزاءِ خیر دے۔ جس وقت سے آپ کا خط ملا، میں نے اس معاملہ کے لیے کوشش شروع کر دی۔ انشاء اللہ اس ماہ کے آخر میں یا فروری کے اوائل میں، مَیں آپ کو روپیہ روانہ کر دوں گا۔
والسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ

فقیر ابوالکلام کان اللہ لہٗ

(۱۰)

کلکتہ، ۱۴-۴-۳۹

حُبّی فی اللہ

السلام علیکم

میں ابھی تک چلنے پھرنے سے مجبور ہوں اور بستر پر پڑا ہوں۔ آپ کا خط میرے سرہانے ضروری خطوط میں پڑا تھا۔ مگر جواب کی مہلت نہیں ملتی تھی۔ اب آپ کا تار ملا۔

آپ معاملات کی نوعیت سے کس درجہ بے خبر ہیں؟ اس کی شہادت آپ کے اُن جملوں سے ملتی ہے جو آپ نے سوبھاش چندر بوس اور اس کے دوبارہ انتخاب کے قضیہ کی نسبت لکھے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے اس معاملہ کا سب سے زیادہ مخالف کون تھا؟ میں تھا، میری دیانت داری کے ساتھ یہ رائے تھی کہ یہ بات نہیں ہونی چاہیے اور اب بھی میں اپنی اس رائے پر قائم ہوں۔

آپ نے ترجمان القرآن کی نسبت دریافت کیا ہے۔ اس کی نسبت میں آپ کو لکھ چکا ہوں کہ میرا تمام تر وقت اب اسی میں خرچ ہو رہا ہے۔ البتہ اس حادثہ کی وجہ سے دو ماہ ضائع گئے اور ۱۵ مارچ سے کاموں کا جو نقشہ ذہن میں تھا، وہ انجام پا نہ سکا۔ اب جب سے

حالت نے اتنی مہلت دی ہے کہ لیٹے لیٹے چند ساعات کام کے لیے نکال سکتا ہوں۔ مشغولیت از سر نو جاری ہوگئی ہے۔

میں آپ کی مطلوبہ رقم کی فکر سے بھی غافل نہیں ہوں۔ میں آپ کو مارچ کے آخر میں پانچ سو کی ایک مزید قسط بھیجنے والا تھا۔ لیکن اس حادثہ کی وجہ سے مجبور ہوگیا۔ کیونکہ اچانک غیر معمولی اخراجات علاج وغیرہ کے سلسلے میں پیش آ گئے۔ اب انشاء اللہ تعالیٰ جہاں تک جلد ممکن ہوگا، یہ دوسری قسط روانہ کروں گا۔ والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

ابوالکلام

(۱۱)

کلکتہ، ۲۴-۴-۳۹

حُبّی فی اللہ

خواستگار معافی ہوں کہ جواب بروقت نہ دے سکا۔ پورے پاؤں پر پیرس پلاسٹر چڑھا دیا گیا ہے۔ اور شب و روز چت پڑا رہنا پڑتا ہے۔ اس لیے لکھنا پڑھنا مشکل ہوگیا ہے۔ ڈاکٹر کی رائے ہے کہ ابھی تین ہفتے اور یہ حالت رہنی چاہیے، اس کے بعد پلاسٹر کاٹیں گے اور اگر ہڈی جڑ گئی تو پھر چند دنوں کے بعد پاؤں پوری طرح کام دے سکے گا۔

پشاور میں مَیں باوجود ہجومِ کار شام کو منتظر رہا، مگر آپ نہیں آئے۔ اور پھر کیمبل پور اسٹیشن پر بھی نہیں۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

ابوالکلام

(۱۲)

19 A, Ballygunge Circular Road

Calcutta

۳-۷-۱۹۴۲

عزیزی آپ کا خط مل گیا تھا، مگر علالت و سفر نے جواب کی بروقت مہلت نہ دی۔
میں کراچی جاتے ہوئے ایک دن لاہور ٹھہروں گا۔

۱۲ جولائی سے ۱۴ جولائی کے اندر کسی دن۔ صحیح تاریخ کی اطلاع بعد میں مل جائے گی۔ اگر ممکن ہو تو آپ اس موقع پر لاہور آ کر مجھ سے مل لیں۔ تا کہ ان امور کی نسبت جو آپ نے لکھے ہیں زبانی گفتگو کر سکوں۔ آپ چند در چند غلط فہمیوں میں مبتلا ہیں۔ آپ نے لکھا ہے کہ وقت کے سیاسی حالات کی نسبت میں نے جو خطوط آپ کے خطوط کے جواب میں لکھے تھے، آپ انہیں شائع کرنا چاہتے ہیں۔ اس وقت میرے خیال میں یہ بات صاف نہیں ہے کہ آپ کا مقصود کن خطوط سے ہے۔ لیکن بہر حال میں نے سیاسی معاملات کی نسبت جو کچھ لکھا ہے، وہ کوئی پرائیوٹ اور شخصی معاملہ نہیں ہے۔ اگر آپ کے خیال میں ان کی اشاعت آپ کے کسی مقصد کے لیے سود مند ہو تو آپ شائع کر سکتے ہیں۔

والسلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

ابوالکلام

میاں محمد اکبر صاحب، ارشد منزل
کیمبلپور (پنجاب)